Negotiations 5:1 (Jun. 2025) pp. 68-82 **ISSN: 2789-293X**

اقبال کے ہاں اہلِ بیت رسول اللہ: بطور محور اتحاد امت

"Iqbal's Conception of the Prophet's Ahl al-Bayt as a Unifying Axis for the Muslim Ummah"

Dr. Samra Zamir
Registrar, Federal Urdu University, Karachi
zamirsamra@gmail.com
Dr. Aoun Sajid Naqvi
Assistant Professor-Urdu, Federal Urdu University, Islamabad
dr.aounsajid@gmail.com
Muhammad Saleem Sarwar
Ph.D Scholar- Federal Urdu University, Islamabad
msaleemsarwar@gmail.com

KEYWORDS

Ahl-Bayt
Spiritual
Philosophical
Selfhood
Divine Love
Imam Hussain
Sacrifice
Framentation

DATES

Received	**05-05-2025**
Accepted	**15-05-2025**
Published	**30-06-2025**

QR CODE

ABSTRACT

"This research paper explores the concept of Ahl al-Bayt (the Holy Family of the Prophetﷺ) within the intellectual and spiritual framework of Allama Muhammad Iqbal. Although Iqbal refrains from explicitly naming members of the Ahl al-Bayt in his philosophical lectures, their ethos is deeply reflected in his core ideas—Khudi (selfhood), Ishq (divine love), Faqr (spiritual renunciation), Millat (Muslim community), and Ijtihad (dynamic reasoning). In his poetry, Iqbal presents figures such as Fatima al-Zahra (A.S) and Imam Hussain (A.S) as embodiments of ideal Islamic virtues—patience, sacrifice, insight, resistance, and spiritual courage—that hold a timeless message for the Muslim Ummah. The paper situates these themes within the contemporary socio-religious context, addressing sectarian fragmentation, intellectual decline, and spiritual voids in the modern Muslim world. By reinterpreting Iqbal's thought in light of the universal message of Ahl al-Bayt, this study argues for their role as a unifying spiritual heritage rather than a sectarian symbol, offering a foundation for Muslim unity, intra-faith harmony, and ethical revival across the Ummah".

https://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/article/view/144

تلخیص:

یہ مضمون علامہ محمد اقبال کی فکری و روحانی کائنات میں اہل بیت اطہارؑ کے تصور کا جائزہ لیتا ہے اور اس تصور کے ذریعے امت مسلمہ کے اتحاد، روحانی احیاء اور فکری بیداری کی راہیں تلاش کرتا ہے۔ اقبال اگرچہ اپنے خطبات میں اہل بیتؑ کے صریح تذکرے سے اجتناب کرتے ہیں، تاہم ان کے تصورِ خودی، عشق، فقر، ملت اور اجتہاد میں اہل بیتؑ کی حیاتِ مبارکہ کے اصول نمایاں طور پر جھلکتے ہیں۔ اقبال کی شاعری خصوصاً حضرت علیؑ، حضرت فاطمہ الزہراءؑ اور امام حسینؑ کی شخصیتوں کو مثالی اسلامی کرداروں کے طور پر پیش کرتی ہے، جن کی سیرت میں صبر، قربانی، شعور، مزاحمت، اور روحانی جرات کا امت کے لیے دائمی پیغام موجود ہے۔ یہ تحقیق معاصر مسلم دنیا کی فرقہ وارانہ تقسیم، فکری زوال، اور روحانی خلا کے تناظر میں اہل بیتؑ کے آفاقی پیغام کو اجاگر کرتی ہے اور اسے اتحاد امت، بین المسالک ہم آہنگی اور اسلامی تشخص کی تجدید کے لیے ایک بنیاد سمجھتی ہے۔ یوں یہ مضمون علامہ اقبال کی فکر کو ایک ہم عصر تناظر میں پیش کرتے ہوئے اہل بیتؑ کو نہ صرف ایک مسلکی نشان کے بجائے امتِ مسلمہ کی مشترکہ روحانی میراث قرار دیتا ہے، بلکہ امت کی نجات کا فکری واخلاقی راستہ بھی تجویز کرتا ہے۔

اسلام کا تصورِ امت محض ایک مذہبی وابستگی کا عنوان نہیں بلکہ ایک ہمہ جہت سماجی، سیاسی، اور روحانی وحدت کا نام ہے۔ امتِ مسلمہ کی فکری اور عملی وحدت وہ بنیاد ہے جس پر اسلام کی تہذیبی شناخت قائم ہے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ نہ صرف جغرافیائی اعتبار سے بکھرتی چلی گئی بلکہ فکری اور مسلکی سطح پر بھی انتشار کا شکار ہوئی۔ یہی تفرقہ امت کی اصل قوت کو زوال پذیر کرنے کا سبب بنا۔ ایسے میں امت کے مفکرین، شعرا اور قائدین نے وحدتِ امت کے پیغام کو از سرِ نو اجاگر کیا۔ ان میں سب سے ایک نمایاں نام علامہ محمد اقبال کا ہے جن کی فکر کا محور ہی امت کی تجدید واحیاء ہے۔

دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغِ عشق اہلِ بیتؑ
ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِ دامن حیدرؑ مجھے(1)

اقبال اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ مسلمان صرف اس وقت عالمی سطح پر اپنا وقار بحال کر سکتا ہے جب وہ اپنے فکری، روحانی، اور تمدنی اشتراکات کو پہچانے اور ان کو بنیاد بنا کر وحدت کی طرف لوٹے۔ اقبال کے نزدیک اسلام کی اصل روح وہ اخوت اور وحدت ہے جو انسان کو انسان سے جوڑتی ہے اور امت کو ایک جسم کی مانند بنا دیتی ہے۔ وہ قرآن (سورہ الانبیاء ۹۲) کے اس تصور کو دہراتے ہیں کہ: ''إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً'' ترجمہ: بیشک یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے۔(2)

اصطلاح 'اہل بیت' کا لغوی معنی 'گھر والے' ہیں۔ اسلامی الہیاتی اور تاریخی مباحث میں، یہ خاص طور پر پیغمبر اکرم ﷺ کے خاندان کے ایک منتخب اور محترم گروہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اس اصطلاح کی گہری روحانی اور اخلاقی اہمیت ہے، کیونکہ ان افراد کو برائیوں، گناہوں اور خامیوں سے پاک سمجھا جاتا ہے، جو انہیں علم، تقویٰ، فضائل اور کردار میں معصوم اور مثالی نمونہ بناتا ہے، اس

طرح انہیں انسانیت کی رہنمائی کے لیے قیادت اور اختیار کے اعلیٰ درجے پر فائز کیا جاتا ہے۔ قرآن کی سورہ احزاب کی آیت ۳۳، جو "آیت تطہیر" کے نام سے جانی جاتی ہے، صراحت سے بیان کرتی ہے: "اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور کر دے، اے اہل بیت، اور تمہیں خوب پاک کر دے"۔ تمام مسلمان اہل بیت کی تعظیم کرتے ہیں، تاہم ان کی صحیح ترکیب کے بارے میں تشریحات میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ شیعہ اسلام عام طور پر اس اصطلاح کو پیغمبر اکرم ﷺ، ان کی بیٹی فاطمہؓ، ان کے داماد علیؓ، اور ان کے دو بیٹوں، حسنؓ اور حسینؓ تک محدود رکھتا ہے۔ سید محبوب علی زیدی الواسطی سیوہاروی اپنی کتاب "اقبال اور حب اہل بیت اطہار" اہل بیت کے حوالے سے مختلف احادیث نقل کرتے ہیں اور چاروں کا ہی ذکر کرتے ہیں:

> "ابن جریر حضرت سعدؓ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ پر وحی اتر تو آپ نے ان چاروں کو کپڑے تلے لے کر فرمایا۔" کہ یارب! یہ میرے اہل ہیں اور میرے اہل بیت ہیں۔" تفسیر ابن کثیر میں اسی آیت کے سلسلے میں جہاں مذکورہ بالا روایات نقل کی گئی ہیں وہاں حضرت ابو سعید سے ان کا اپنا قول مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔"میرے اور ان چاروں (حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنین علیہ السلام) کے بارے میں یہ آیت اتر ہے۔" (3)

محبوب علی زیدی اور دیگر لوگوں نے اہل بیت کی تعدا کے حوالے سے ان چاروں کا ذکر کیا ہے مگر ہمارا موضوع تعداد کی بحث نہیں بلکہ اہل بیت کا پیغام اور امت کی موجودہ صورت حال ہے۔اقبال کے نزدیک، اس وحدت کا مظہر اور مرکز اہلِ بیتؑ کی تعلیمات ہیں، جنہوں نے اپنی زندگی، سیرت اور قربانیوں کے ذریعے دینِ اسلام کے اصولی اور اخلاقی تشخص کو محفوظ کیا۔ اقبال نے اہلِ بیت کی سیرت کو نہ صرف بطور شخصی و روحانی نمونہ پیش کیا بلکہ اسے امت کی فکری وحدت کے لیے مرکزِ ثقل قرار دیا۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کیا ہی بڑی بات ہوتی جو ہوتے مسلمان بھی ایک (4)

اقبال اس نکتہ کو اس وقت زیادہ مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں جب وہ فرقہ واریت اور تنگ نظری سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟ (5)

یہ اشعار اقبال کی اس بصیرت کا آئینہ ہیں کہ امت کا انتشار کس قدر اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ امت کو وحدت کی طرف لانے کے لیے اسے سیرتِ نبوی ﷺ، قرآن، اور اہلِ بیتؑ کی تعلیمات کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

حدیثِ کساء جو نبی ﷺ کی ایک جامع حدیث ہے، اہل بیت کی حدود واضح کرتی ہے۔ اس حدیث میں حضرت فاطمہؑ، حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ، اور حضرت حسینؑ کو اہل بیت کی اصل مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو امت کے مختلف طبقات کو آپس میں جوڑنے کا کام کرتا ہے۔ اقبال ملا کو بھی اتحاد کی تعلیم دینے کی نصیحت کرتے ہیں:

"ترکِ دنیا قوم کو اپنی نہ سکھلانا کہیں
واہ نہ کرنا فرقہ بندی کے لیے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامہ محشر یہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے(6)

اہلِ بیت کا تصور محض ایک خانوادے کی عظمت نہیں بلکہ ایک ایسی فکری و روحانی بنیاد ہے جس سے اسلام کی اصل تعبیر اخذ ہوتی ہے۔ اور یہی وہ نکتہ ہے جہاں سے ہم اقبال کے فکر کی گہرائی میں اتر کر ان کی وحدتِ امت کے خواب کو اہلِ بیت کے تناظر میں سمجھ سکتے ہیں۔

قافلۂ حجاز میں ایک حُسینؑ بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات(7)

اقبال کی فکری میراث میں "امت" کا تصور محض ایک مذہبی برادری کا نام نہیں بلکہ ایک زندہ، بیدار، اور متحرک روحانی و تہذیبی قوت ہے، جو کائنات میں خیر اور عدل کا قیام ممکن بناتی ہے۔ ان کے نزدیک امت ایک روحانی قوم(spiritual nation) ہے جو عقیدے، نصب العین، اور اخلاقی قدروں کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے۔ اقبال کے خیال میں امت کا اتحاد اسی وقت ممکن ہے جب وہ قرآن و سنت کو اپنا مرکز بنائے، اور "خودی" (selfhood) کی بنیاد پر فرد کو بیدار کرے:

غریب و سادہ و رنگیں ھے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین، ابتدا ہے اسماعیلؑ (8)

اقبال قرآن کے اس پیغام کو بار بار دہراتے ہیں جو امت کو "واحدةً" کہہ کر ایک قلب، ایک شعور اور ایک نصب العین کے تحت جوڑتا ہے۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ وحدتِ امت کا تصور وہ زنجیر ہے جس سے فرد اور جماعت بندھ کر تاریخ میں ایک مثبت اور باوقار کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ان کے الفاظ میں:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر(9)

یہ محض جغرافیائی وحدت کی بات نہیں، بلکہ تہذیبی اور روحانی اشتراک کا اظہار ہے، جو اقبال کی فکر کا مرکزی نکتہ ہے۔ اقبال کی "خودی" دراصل وہ روحانی بصیرت ہے جو فرد کو نہ صرف اپنی ذات کے شعور سے آگاہ کرتی ہے بلکہ اسے ملت کے

اجتماعی شعور سے ہم آہنگ کرتی ہے۔ یہ خودی فرد کو محض ایک مقلد، مفعول یا تابع نہیں رہنے دیتی بلکہ ایک باوقار، بااختیار اور بیدار انسان میں بدل دیتی ہے، جو معاشرے کے باطن کو بھی بیدار کر سکتا ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا، تیری رضا کیا ہے؟(10)

اقبال کی نظر میں امت کی تجدید اس وقت ممکن ہے جب فرد اپنی خودی کو پہچانے اور وہ خودی اسی وقت پروان چڑھ سکتی ہے جب وہ سیرتِ نبوی ﷺ اور اہلِ بیتؑ کی تعلیمات سے فیض یاب ہو۔ اقبال کی خودی انفرادی انانیت کا نام نہیں بلکہ ایک روحانی اجتماعیت کا نام ہے، جو فرد کو ملت سے جوڑتی ہے۔ سید محبوب علی زیدی الواسطی سیوہاروی اپنی کتاب ''اقبال اور حب اہل بیت اطہار'' اقبال کی بیان کردہ حضرت حسینؑ کی شان، اہمیت اور امت کے لیے ضرورت کو یوں بیان کرتے ہیں:

''اقبالؒ حضرت حسین علیہ السلام کی ذات صفاتِ ستودہ اور اعلیٰ وارفع شخصیت کو امت مسلمہ میں اتنا ہی رفیع ومقیع قرار دیتے ہیں جتنا کہ حرف قل ہو اللہ قرآن کریم میں ہے۔ سچ ہے کہ آنحضرت صلعم کی بعثت اور قرآن مجید کا نزول توحید الہی کے اثبات کے لیے ہی عمل میں آیا ہے۔۔۔۔ جیسے توحید ربانی قرآن کریم کی اصل اصول ہے۔ بالکل اسی طرح حضرت حسینؑ بھی امت محمد صلعم میں بنیادی اور مرکزی اہمیت کے حامل ہیں۔ در حقیقت قرآن کریم کی افادیت توحید سے قائم ہے اور امت مسلمہ کی ہدایت سبط رسول ﷺ سے باقی ہے۔''(11)

اقبال قرآن کے اس تصور پر زور دیتے ہیں کہ امت "ملتِ واحدہ" ہے، جس کی بنیاد نسل، رنگ، زبان یا علاقہ نہیں بلکہ عقیدہ، توحید، اخلاق اور تاریخ ہیں۔ وہ اسلام کو محض ایک مذہب نہیں بلکہ ایک روحانی تحریک مانتے ہیں جو انسان کو ظلم و جبر سے نکال کر آزادی، عدل اور مساوات کی طرف لاتی ہے۔ یہ جنتِ ارضی وہی ملتِ واحدہ ہے، جو اقبال کے خوابوں میں آباد ہے اور جس کی اساس قرآن، رسول ﷺ اور اہلِ بیت کی فکری میراث پر ہے۔ اقبال کے اس تصورِ امت کے پس منظر میں ہمیں اب اگلے حصے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ اہلِ بیتؑ — خصوصاً حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؑ، امام حسینؑ کو کس فکری و روحانی مرکزیت کے طور پر دیکھتے ہیں، اور ان کی شخصیتیں امت کے اتحاد اور احیاء میں کیا کردار ادا کر سکتی ہیں۔

اہل بیت کی زندگی اور کردار امت کے لیے ایک مثالی نمونہ اور روحانی مرکز کے طور پر ہیں۔ ان کی قربانیاں، ان کی تعلیمات، اور ان کی سیرت امت کو اتحاد، عدل، اور محبت کے پیغام کی طرف بلاتی ہے۔ ازواج مطہراتؓ کے کردار کو بھی اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے، کیونکہ انہوں نے اسلام کی ابتدائی تاریخ میں مختلف سماجی چیلنجز کا مقابلہ کیا اور اسلام کے اصولوں کی حفاظت کی۔ مسلکی اختلافات کو یکطرفہ رکھتے ہوئے، اہل بیت کی پاکیزگی، قربانی، اور محبت کو امت مسلمہ کا مشترکہ سرمایہ تسلیم کرنا ایک ایسا قدم ہے جو اتحاد امت کو فروغ دیتا ہے۔ یہ مشترکہ فکری بنیاد مسلمانوں کو تقسیم کے بجائے مشترکہ وحدت کی طرف لے جاتی ہے۔

اقبال کے کلام میں حضرت علیؑ کی شخصیت کو عقل، حکمت، شجاعت اور روحانی بیداری کا نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ اقبال نے حضرت علیؑ کو "حکیمِ خدا" اور "شیر خدا" کی طرح پیش کیا ہے، جو امت کو جبر، جہالت اور ظلم سے نجات دلاتے ہیں۔

اقبال حضرت علی کرم اللہ وجہہؑ کو شجاعت، علم اور روحانی قیادت کا نمونہ قرار دیتے ہیں۔ وہ حضرت علیؑ کو اسلام کا سب سے بڑا ہیرو سمجھتے ہیں، جو علم، اسلامی اصولوں کی پاسداری اور شجاعت میں تمام صحابہ سے فائق ہیں:

مُسلمِ اوّل شہِ مرداں علی
عشق را سرمایۂ ایماں علی
از رُخِ اُو فالِ پیغمبر گرفت
ملتِ حق از شکوہش فر گرفت (12)

حضرت علیؑ کی بہادری بدر، احد، خندق، خیبر اور صفین کی جنگوں میں نمایاں ہے۔ شاعر اس وصف کو ابتدائی مصرعے میں یوں اجاگر کرتا ہے کہ علیؑ نہ صرف مسلمانوں کے "اول" یعنی اولین مسلمان ہیں بلکہ "شہِ مرداں" یعنی شجاعت و عزیمت کا اعلیٰ نمونہ بھی ہیں۔ ایران۔ اسرائیل تنازع، جس میں اہل ایران اور دیگر امت مسلمہ تمام گروہ علیؑ کی شجاعت و قیادت سے فیض لیتے ہیں، ہمیں یاد دلاتا ہے کہ مظلوم مسلم اقوام کی رہنمائی، مزاحمت اور وقار کی علامت حضرت علیؑ کی شخصیت میں موجود ہے۔ ان کے اسوہ سے سبق لیتے ہوئے مسلم امہ کو اپنی جرات، خودداری اور استقلال کو از سرِ نو زندہ کرنا ہوگا۔

"مُسلمِ اوّل" کا مطلب ہے وہ شخصیت جو ایمان کی ابتدا میں ہی رسول اکرم ﷺ پر ایمان لائیں۔ حضرت علیؑ بچپن ہی سے آغوشِ رسالت میں رہے، اور ابتدا سے اسلام کے سچے داعی بنے۔ وہ صرف ابتدائی مسلمان نہیں، بلکہ بعد از نبی اکرم ﷺ ایک روشن قیادت کا مینار تھے۔ جب امہ فرقہ واریت، سیاسی تقسیم اور بیرونی دباؤ کا شکار ہے، تو حضرت علیؑ جیسی قیادت، جس میں علم، عدل، تقویٰ، اور حکمت یکجا ہوں، ہمارے لیے نمونہ ہے۔ ان کی طرزِ قیادت مظلوموں کی آواز اور مظلوم اقوام کے حق کی پاسبانی کی علامت ہے۔

"عشق را سرمایۂ ایماں علی" یہ مصرع صرف علیؑ کی شخصیت کا مدحیہ پہلو نہیں بلکہ ایک معرفتی حقیقت ہے کہ حضرت علیؑ کی ذات عشقِ حقیقی کی تجلی ہے۔ ان سے محبت دراصل رسول ﷺ سے محبت ہے، اور رسول سے محبت، ربِ کائنات سے محبت ہے۔ آج جب امت مسلمہ ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے اور عقیدے و فرقے کی بنیاد پر ایک دوسرے کو کافر و خارج کہتی ہے، تو حضرت علیؑ کی شخصیت وہ محور ہے جس سے عشقِ الٰہی، عشقِ نبوی اور عشقِ انسانیت کی ہم آہنگی ملتی ہے۔ امت کو چاہیے کہ علیؑ کی محبت کو وحدتِ قلب و نظر کا ذریعہ بنائے۔

علیؑ کا چہرہ اس قدر نورانی و معرفت انگیز تھا کہ اُس سے نبوت کی خوشبو آتی تھی (فال پیغمبری = prophetic omen)۔ حضرت علیؑ "باب مدینۃ العلم" ہیں۔ ان کی زبان سے نکلا ہر لفظ حکمت، فقہ، فلسفہ اور روحانیت کا سرچشمہ ہے۔ اس وقت

مسلم دنیا میں فکری خلا اور علمی بانجھ پن ہے۔ حضرت علیؑ کی علمی میراث، خطبہ ہائے نہج البلاغہ، ان کا تدبر، فقہ اور اجتہادی فکر آج بھی امت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اتحادِ امت کا ایک بنیادی ذریعہ مشترکہ فکری سرچشمے سے جُڑنا ہے، اور حضرت علیؑ اس علمی ورثے کا مرکز ہیں۔

"ملتِ حق از شکوہش فر گرفت" یعنی ملتِ حق نے ان کے جلال و شان سے روشنی پائی۔ حضرت علیؑ جامد شخصیت نہیں، وہ فکری اور عملی قیادت کے علمبردار تھے۔ ان کی سوچ میں وقت، سماج، سیاست اور روحانیت سب شامل تھے۔ ایران جیسے ممالک حضرت علیؑ کو ایک انقلابی علامت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس وقت جب فلسطین کے معصوم بچے اور غزہ کی مائیں کربلا کا نقش دہرا رہی ہیں، حضرت علیؑ کے افکار اور ان کے بیٹے امام حسینؑ کی قربانی ہمیں سکھاتی ہے کہ ظلم کے خلاف قیام ہر مؤمن کا فریضہ ہے۔ حضرت علیؑ کی ذات محض ایک تاریخی شخصیت نہیں، بلکہ ایک زندہ نظریہ ہے۔ حضرت علیؑ کی ذات محض ایک تاریخی شخصیت نہیں، بلکہ ایک زندہ نظریہ ہے ۔ جس میں عشق ہے، علم ہے، قیادت ہے، اور وحدت کا پیغام۔ آج ایران اور اسرائیل کے مابین کشیدگی کے تناظر میں، جب امت مسلمہ کی باہمی تقسیم آشکار ہو رہی ہے، حضرت علیؑ کی صفات ہمیں راستہ دکھاتی ہیں کہ امت اگر علیؑ کے کردار، علم، شجاعت اور عشق کو محور بنالے تو امتِ واحدہ بن سکتی ہے:

ہر که دانائے رموز زندگیست
سر اسمائے علی داند که چیست(13)

اقبالؒ ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ ہونے کے ساتھ ساتھ اہل بیت کے بھی مداح اور شیدا تھے۔ اس کا ابدی مظہر آپؒ کے کلام میں متعدد بار نظر آتا ہے۔ آپؒ کبھی واقعہ کربلا میں صبر حسینؑ کا تذکرہ کر کہ عشق کو جِلا بخشتے ہیں، کبھی داستانِ حرم میں حسینؑ کو منتہا بیان کرتے ہیں، کہیں قافلہ حجاز میں حسینؑ کی کمی کا گلہ کرتے ہیں اور کبھی دلِ مرتضیٰؑ کے حاصل کرنے کی استدعا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر آپ کا اہل بیت سے عشق کا حقیقی و ابدی مظہر آپ کے مجموعے 'اسرار و رموز' کی نظم ' فاطمۃ الزہرہؑ' میں نظر آتا ہے۔ جس میں آپؒ حضرت زہرہؑ کی بزرگی و مرتبے کا موازنہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ حضرت مریمؑ کی بزرگی و مرتبے سے کرتے ہیں۔ اور حضرت زہرہؑ تین نسبتوں سے حضرت مریمؑ سے برتر ہیں۔ آپ اسکا نقشہ کچھ یوں کھینچتے ہیں:

"مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز"(14)

اقبالؒ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت مریمؑ اللہ کے نزدیک بے حد مقام اور بزرگی والی ہیں لیکن یہ مقام صرف اس لیے ہے کہ آپ ایک پیغمبر حضرت عیسیٰؑ کی والدہ محترمہ ہیں۔ اس کے برعکس حضرت زہرہؑ آپؑ کے مقابل تین نسبتوں سے افضل اور زیادہ مرتبے و بزرگی والی ہیں۔

نور چشم رحمتہ للعالمین آن امام اولین و آخرین ۔ اقبالؒ پہلی نسبت کا ذکر یہ بیان کرتے ہیں کہ آپؑ اس عالی و بالا ہستی کی بیٹی ہیں جو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت ہیں آپ ﷺ تمام انبیاء، تمام اگلوں اور پچھلوں کے امام ہیں۔ آپ ﷺ نے اسلام جیسا نیا آئین متعارف کرایا جس نے عرب کے مردہ اور جاہل لوگوں کی زندگیوں میں اک نئی رمق دے کر ان کی زندگیوں کو اک نئے سانچے میں ڈھال دیا اور دنیا کی مہذب قوم بنا دیا :

"بانوے آں تاجدار ھل اتیٰ
مرتضی ، مشکل کشا ، شیر خدا"(15)

اقبالؒ دوسری نسبت کو حضرت علیؓ سے منسوب کرتے ہیں کہ آپؑ ایسی ہستی کی زوجہ محترمہ ہیں جن کے سر پر 'ھل اتیٰ' کا تاج ہے۔ اقبالؒ اس شعر میں ھل اتیٰ کا استعارہ استعمال کرتے ہوئے خاندانِ رسول ﷺ کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ایک دفعہ خاندانِ نبوت ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر تین دن روزہ رکھنے کا قصد کیا۔ پہلے روز عین افطار کے وقت ایک سائل در پہ آ گیا اور مولا مشکل کشا نے گھر کا تمام سامان اس کو دے دیا اور خود خاندانِ رسول ﷺ نے پانی سے روزہ افطار کیا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا، یہ امر اللہ کے ہاں اتنا مقبول ہوا کہ جبرائیل امینؑ سورۃ ھل اتیٰ (سورۃ دہر) لے کر نازل ہوے۔ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضرت علیؓ کو بادشاہت عطاء کی مگر تقوی کا یہ عالم تھا کہ آپؓ کا کُل سامان ایک تلوار اور ایک زرہ تھی۔ آپؒ فرماتے ہیں آپؓ رتبہ میں مرتضیٰ، مشکل کشا اور شیر خدا ہیں:

مادرآں مرکز پرکار عشق
مادرآں کاروان سالار عشق"(16)

اقبالؒ تیسری نسبت حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے منسلک کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت زہراؑ اُن ہستیوں کی ماں ہیں جن پر خود عشق انحصار کرتا ہے اور وہ عشق کے قافلے کے سردار اور عشق کا عین مرکز ہیں۔ حضرت حسنؓ کو آپؒ محفلِ حرم کی مانند قرار دیتے ہیں کیونکہ آپؓ نے جنگ اور نفرت کی آگ بجھانے کے لیے تخت و تاج کو ٹھوکر مار دی۔ جس سے مسلم برادری میں اتحاد قائم رہا اور امت مسلمہ کی لاج رہی۔ آپؒ حسینؓ کی والدہ ہیں جو کہ نیک سیرت لوگوں کے مولا ہیں۔ زندگی میں جذبہ حسینؓ ہی سے ہے۔ جنہوں نے مردانِ حُر یعنی حریت پسند لوگوں کو قوت بخشی اور اہل حق کو آزادی کا سبق سکھایا۔ حضرت فاطمہؓ کو اقبال نے صفا، طہارت اور قربانی کی علامت کے طور پر دیکھا ہے، جو خواتین کے لیے ایک مثالی شخصیت ہیں۔ اقبال کے مطابق، ازواج مطہراتؓ نے اسلام کی بقاء اور ترویج میں ایک اہم کردار ادا کیا، اور ان کی قربانیوں نے امت کی ایکجہتی اور مضبوطی میں مدد دی۔ وہ انہیں امت کی ماؤں اور روحانی محافظات کے طور پر دیکھتے ہیں۔

"مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوہ کامل بتولؓ"(17)

تسلیم کی کھیتی کا حاصل حضرت فاطمہؑ تھیں اور آپ مسلمان ماؤں کے لیے اسوۂ کامل بن گئیں۔ یعنی ایسا نمونہ جس میں ماؤں کی زندگی کے ہر پہلو کے لیے بہتر سے بہتر مثال موجود ہے:

آں ادب پروردہ صبر و رضا
آسیا گردان و لب قرآن سرا
گریہ ہاے از زبالیں بے نیاز
گوہر افشاندے بد امان نماز
اشک اوبر چید جبریل از زمیں
ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں(18)

علامہ اقبال حضرت فاطمۃ الزہراؑ کو نہ صرف اہل بیت کی روحانی عظمت کا مظہر سمجھتے ہیں بلکہ ان کی شخصیت کو امت مسلمہ کے لیے ایک جامع نمونہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی فارسی مثنوی زُبورِ عجم میں شامل اشعار میں اقبال نے حضرت فاطمہؑ کی زندگی کے تین نمایاں پہلوؤں کو فکری اور عرفانی پیرائے میں پیش کیا ہے: صبر و رضا، عبادت کا خلوص، اور روحانی بلند پایگی۔ پہلے شعر میں "آں ادب پروردۂ صبر و رضا، آسیا گردان و لب قرآن سرا" کے ذریعے اقبال حضرت فاطمہؑ کی شخصیت کے اس پہلو کو اجاگر کرتے ہیں کہ وہ نہ صرف صبر اور رضا کی گود میں پلی ہوئی تھیں بلکہ دنیوی مشقتوں جیسے چکی پیسنا کے دوران بھی ان کی زبان پر قرآن جاری رہتا۔ گویا دنیا اور دین، محنت اور روحانیت، عمل اور ذکر—سب ان کی حیات میں یکجا تھے۔ اس سے امت مسلمہ کو یہ پیغام ملتا ہے کہ روحانی بلندی صرف ریاضت یا خلوت میں نہیں، بلکہ زندگی کی روزمرہ مشقتوں میں ذکرِ الٰہی کے استمرار سے حاصل ہوتی ہے۔

دوسرے شعر "گریہ ہاے از زبالیں بے نیاز، گوہر افشاندے بد امانِ نماز" میں حضرت فاطمہؑ کی عبادت کی داخلی کیفیت اور خلوص کی شدت بیان کی گئی ہے۔ وہ ظاہری زینت و زیبائش سے بے نیاز ہو کر نماز کے دوران خدا کے حضور ایسے اشک بہاتی تھیں جیسے کوئی شخص اپنے سب سے گہرے راز صرف محبوب کے سامنے رکھتا ہے۔ ان آنسوؤں کو اقبال "گوہر" یعنی قیمتی موتی سے تعبیر کرتے ہیں، جو اس بات کا عرفانی اظہار یہ ہے کہ ایک مومنہ کا اشک بھی قربِ الٰہی میں بے بہا ہوتا ہے۔ یہ سیرت آج کی امت کے لیے دعوتِ غور ہے کہ رسمی عبادات کو روحانی اخلاص اور باطنی سوز سے ہم آہنگ کیا جائے۔

تیسرے شعر "اشک اوبر چید جبریل از زمیں، ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں" میں علامہ اقبال نے حضرت فاطمہؑ کے روحانی مقام کو بلند ترین آفاقی سطح پر پیش کیا ہے۔ جبریلؑ جیسے مکرم فرشتہ ان کے آنسو زمین سے اٹھاتے ہیں اور انھیں عرش پر نچھاور کرتے ہیں۔ یہ منظر محض تخیلاتی یا صوفیانہ علامت نہیں بلکہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت فاطمہؑ کی عبادت، گریہ، اور دعائیں زمین کی سطح پر محدود نہ رہیں بلکہ عرشِ الٰہی کی قبولیت حاصل کر گئیں۔ اقبال کے اس تخیل میں ایک واضح اشارہ ہے کہ اگر امت مسلمہ خلوصِ نیت، سادگی، فکری بالیدگی اور عبادت میں انہماک کو اپنائے، تو اس کے اعمال بھی بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو سکتے ہیں۔

گویا اقبال کی ان تمثیلات میں حضرت فاطمہؓ کو ایک ایسی ماں، ایک ایسی عابدہ اور ایک ایسی رہنما کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو نہ صرف اپنے وقت کی مثالی خاتون تھیں بلکہ ہر زمانے کے لیے خواتین اور امت مسلمہ کے لیے نمونۂ کامل ہیں۔ ان کی سیرت میں ہمیں دین اور دنیا کا حسین امتزاج، روح اور عمل کا توازن، اور عاجزی و جلالت کا ایسا امتزاج ملتا ہے جو آج کی منتشر امت کو اتحاد، روحانی رجوع اور عملی انقلاب کی طرف متوجہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اقبال نے امام حسینؓ کی شہادت کو ظلم و جور کے خلاف قیام اور حق و انصاف کی راہ میں قربانی کی عظیم مثال قرار دیا ہے۔ ان کے کلام میں کربلا کا واقعہ امت کے اتحاد اور بیداری کا سرچشمہ ہے۔ امام حسینؓ کی قربانی امت کو ظلم کے خلاف متحد ہونے کی ترغیب دیتی ہے۔

امام حسنؓ اتحاد، بصیرت اور حکمت کا پیکر ہیں۔ علامہ اقبال کی فکر میں امام حسن مجتبیٰؑ کی شخصیت محض ایک عظیم امام یا خلافت سے دستبردار ہونے والی ہستی نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کے اتحاد، بصیرت اور عالمانہ تدبر کی علامت ہے۔ وہ امام حسنؓ کے صلح آمیز فیصلے کو وقتی حکمت یا کمزوری نہیں بلکہ ایک عظیم قربانی سے تعبیر کرتے ہیں جو فرقہ وارانہ تصادم، خانہ جنگی اور خونریزی کے طوفان کو تھامنے کے لیے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال لکھتے ہیں:

پشت پا زد بر سرِ تاج و نگیں
تا نشیند آتشِ پیکار و کین(19)

حضرت امام حسینؓ نے یعنی "انہوں نے تاج و نگیں کو ٹھکرا دیا، تاکہ لڑائی اور کینے کی آگ بجھ جائے۔" یہ شعر امام حسنؓ کی اس قربانی کو خراجِ تحسین ہے جو انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی امت کی وحدت کے لیے دی۔ اقبال کے نزدیک امام حسنؓ وہ الٰہی روشنی ہیں جس سے امت کا افق روشن ہوتا ہے، اور جنہوں نے اپنے صبر، حلم، اور صلح پسندی کے ذریعے تاریخِ اسلام کو اتحاد و بصیرت کی وہ مثال عطا کی جو آج بھی امت کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔

امام حسینؓ: کربلا کے ذبحِ اکبر، ظلم کے خلاف مزاحمت کا ابدی استعارہ ہیں۔ اقبال کی شاعری میں امام حسینؑ کا تصور محض ایک تاریخی کردار کا نہیں بلکہ ایک ابدی اصول اور روحانی جہاد کی علامت کا ہے۔ ان کے نزدیک حسینؓ وہ مرکزِ صدق و استقامت ہیں جن کی قربانی نے "ذبحِ عظیم" کی قرآنی تعبیر کو مجسم کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

"زندہ حق از قوتِ شبّیری است
باطل آخر داغِ حسرت میری است"(20)

"حق شبیرؑ کی قوت سے زندہ ہے، اور باطل آخر کار حسرت کا داغ لے کر مرتا ہے۔" یہ شعر امام حسینؑ کی اس لازوال قربانی کا بیان ہے جو انہوں نے یزیدی ظلم و جبر کے خلاف دی، اور جو رہتی دنیا تک مظلوموں کے لیے مشعلِ راہ اور جابروں کے لیے دلیلِ شکست ہے۔ اقبال امام حسینؑ کو قرآن کا عملی مظہر، اور "ذبحِ عظیم" کا نقطۂ کمال قرار دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبّیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی"(21)

یہ اشعار نہ صرف کربلا کی معنویت کو جاوداں کرتے ہیں بلکہ ہمیں معاصر دور کی "کوفی و شامی" سیاست کا بھی سراغ دیتے ہیں، جہاں وقت کے یزید اپنے چہروں کے نقاب بدل کر، ظلم کو نئی شکلوں میں زندہ رکھتے ہیں۔

کربلا سے غزہ تک: امام حسینؑ کا پیغام اور ایران-اسرائیل تنازع معاصر زمانے میں ایران اور اسرائیل کے مابین بڑھتی ہوئی کشیدگی، فلسطین و غزہ میں جاری نسل کُشی، اور عالمی سامراجی قوتوں کی پشت پناہی، ہمیں امام حسینؑ کی اس جدوجہد کی یاد دلاتی ہے جو ظلم کے خلاف قیام کا استعارہ بن چکی ہے۔ آج جب سامراجی قوتیں "یزیدی قوت" کے استعارے میں ڈھل چکی ہیں، اقبال کی فکر ہمیں امام حسینؑ کے نقشِ قدم پر چلنے کی دعوت دیتی ہے۔ حسینؑ کے لہو نے صدیوں پہلے جو شعلہ روشن کیا، وہ آج غزہ کی گلیوں، یمن کے میدانوں، اور ایران کے مزاحمتی بیانیے میں زندہ ہے۔ اقبال کا یہ شعر جیسے ہمارے حال کی تشریح بن جاتا ہے:

"خونِ او تفسیرِ این اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد"(22)

"ان کا خون اِن اسرار کی تفسیر بن گیا، اور سوئی ہوئی ملت کو بیدار کر دیا۔" اسی لیے آج امام حسینؑ کا پیغام صرف ایک مذہبی یادگار نہیں بلکہ ظلم، استبداد، استعمار اور نسل کشی کے خلاف مزاحمت کا عالمی منشور ہے۔ ایران کی مزاحمتی فکر ہو یا فلسطینیوں کی استقامت، سب اسی حسینیؑ مکتب سے روشنی حاصل کرتے ہیں، جو باطل کے مقابل سجدۂ استقامت۔

اقبال اہل بیت کی شخصیتوں کو امت کی روحانی، فکری اور اخلاقی تجدید کے لیے لازمی ستون سمجھتے ہیں۔ ان کے شعری کلام میں اہل بیت کی مثالیں امت کو خودی، حکمت اور قربانی کے جذبے سے منور کرتی ہیں، جو وحدت اور اتحاد کا ضامن ہیں۔

اہل بیت کی شخصیتیں اور ان کے کردار اسلامی تاریخ میں نہ صرف دینی رہنمائی کے مرکز رہے ہیں بلکہ امت کے اتحاد اور اجتماعی فکری بیداری کے محور بھی سمجھے جاتے ہیں۔ علامہ اقبال کی فکر میں اہل بیت کا تصور ایک مرکزِ وحدت کے طور پر اجاگر ہوتا ہے جو امت کو مسلکی، سیاسی، اور سماجی انتشار سے بچانے کا باعث بنتا ہے۔

اسلامی تاریخ میں اہل بیت کی قربانیاں اور ان کی جدوجہد نے ہمیشہ امت کو ایک مشترکہ شناخت دی ہے۔ حضرت علیؓ کی خلافت کا دور، حضرت فاطمہؓ کی صبر و استقامت، اور امام حسینؓ کی کربلا میں شہادت، یہ تمام واقعات امت کے اتحاد کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ ان قربانیوں نے فرقہ وارانہ رکاوٹوں کو توڑ کر ایک وسیع روحانی بھائی چارہ قائم کرنے کی تحریک دی۔

علامہ اقبال کے خطباتِ الٰہیات، اگرچہ براہِ راست اہلِ بیتؑ کے انفرادی ناموں یا واقعات کا ذکر نہیں کرتے، تاہم ان کا فکری اور روحانی سانچہ اس جوہر سے لبریز ہے جو اہلِ بیتؑ کے کردار اور سیرت میں عملی طور پر مجسم ہے۔ اقبال کے فلسفیانہ نظام میں خودی، ملت، عشق، فقر اور اجتہاد جیسے تصورات ایسے اصولی ستون ہیں جنھیں اہلِ بیتؑ نے اپنے طرزِ عمل اور قربانیوں سے مجسم کیا۔ اقبال کے نزدیک "خودی" محض ایک نظریاتی قوت نہیں بلکہ ایک زندہ اور فعال اخلاقی وجود ہے، جو انسان کو حق، عدل اور قربانی کے لیے ہر قیمت پر سینہ سپر ہونے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔ امام حسینؑ کا کردار، جو ظلم کے خلاف مزاحمت اور اصولِ حق کی پاسداری کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، اقبال کی "خودی" کے عملی تصور کی تجسیم ہے۔ اسی طرح "ملت" کا تصور، جو نسل، رنگ، قوم یا خطے سے بالاتر صرف اسلامی اصولوں پر استوار ہے، امام علیؑ، حضرت فاطمہؑ، اور ائمہ اہل بیتؑ کی تعلیمات اور قربانیوں سے تشکیل پاتا ہے۔ اقبال کے نزدیک عشق اور فقر اسلام کی روحانی اساسات ہیں؛ امام حسینؑ کی قربانی، حضرت زینبؑ کا استقامت بھرا خطبہ، اور اہل بیتؑ کا دنیاوی اقتدار سے بے نیازی پر مبنی اسوہ، ان اعلیٰ روحانی مظاہر کی عملی تشریح فراہم کرتے ہیں جنھیں اقبال اپنے فکری نظام کی بنیاد بناتے ہیں۔

علاوہ ازیں، اقبال مذہب کو ایک زندہ و متحرک قوت تصور کرتے ہیں، جو زمانہ و مکان کی تبدیلیوں سے ہم آہنگ رہتے ہوئے انسانی زندگی کی روحانی تشکیل نو کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ اسی تناظر میں اہل بیتؑ، خصوصاً کربلا میں امام حسینؑ کا موقف، نہ صرف اجتہاد کی جیتی جاگتی مثال ہے بلکہ وہ اسلام کے جمود کے خلاف ایک زندہ احتجاج بھی ہے، جو ہر دور کے لیے اسلامی اصولوں کی تازہ تعبیر کا دروازہ کھولتا ہے۔ گویا اقبال کی فلسفیانہ تشکیلِ نو، اہل بیتؑ کی عملی سیرت سے روحانی جلا پاتی ہے، اگرچہ وہ ان کا نام کم لیتے ہیں، لیکن ان کے اصولوں کو اپنا فکری جوہر بناتے ہیں۔ یہی وہ ربط ہے جو اہل بیتؑ کی تعلیمات کو امتِ مسلمہ کے اتحاد، احیائے فکر، اور روحانی خودی کے احیاء کے لیے ایک لازمی سرچشمہ بناتا ہے۔

اقبال نے اہل بیت کو صرف تاریخی شخصیتیں نہیں بلکہ ایک روحانی تحریک اور فکری رہبر کے طور پر دیکھا ہے جو امت کو ایک متحد اور بیدار قوم بنا سکتی ہیں۔ ان کے کلام میں اہل بیت کی شخصیتوں کی مثالیں امت کو خودی، قربانی، اور اخلاقی بلندی کی طرف مائل کرتی ہیں۔

آج کے دور میں جہاں مسلم دنیا میں مسلکی اختلافات اور انتشار بہت بڑھ چکا ہے، اہل بیت کا تصور ایک روحانی اور فکری مرکز کے طور پر امت کے لیے ایک متحدہ نقطہ نظر فراہم کر سکتا ہے۔ اہل بیت کی شخصیتوں کی محبت اور ان کی تعلیمات امت کے درمیان محبت، بھائی چارہ، اور تعاون کو فروغ دینے کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔

اس طویل بحث کے بعد جو نتائج سامنے آتے ہیں ان میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اہل بیت کا تصور، اقبال کی فکر میں محض تاریخ کا حوالہ نہیں بلکہ ایک زندہ روحانی و اخلاقی تحریک ہے جو امتِ مسلمہ کو ذلت، غلامی، اور تفرقے سے نکالنے کا پیغام دیتی ہے۔ اقبال نے اہل بیت کی تمام شخصیات کو امت کے لیے رول ماڈل کے طور پر پیش کیا۔ ان کی طہارت، قربانی، صبر، استقامت اور حکمت کو ایسے اوصاف قرار دیا جن پر عمل کر کے امت اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ پا سکتی ہے۔ اقبال کے کلام میں اہل بیت کی محبت امت کے لیے ایک مرکزی قدر (core value) کی حیثیت رکھتی ہے، جو تمام تر فکری و مسلکی اختلافات کے باوجود امت کو جوڑنے کا ذریعہ ہے۔ اہل بیت کا تصور بطور مرکز وحدت، ایک ایسا فکری نکتہ ہے جو نہ صرف تاریخی استناد رکھتا ہے بلکہ عصر حاضر میں بھی امت کی فکری و عملی رہنمائی کر سکتا ہے، بشرطیکہ اسے مسلکی حدود سے بلند ہو کر اخلاص کے ساتھ اپنایا جائے۔

اقبال کی فکر کا خلاصہ یہی ہے کہ اہل بیت صرف چند شخصیات کے نام نہیں، بلکہ ایک مکمل ضابطۂ اخلاق، قربانی، سچائی، اور امت کے شعور کی علامت ہیں۔ اگر امت ان کی سیرت سے رہنمائی لے، تو وحدت، خودی، اور بیداری اس کی پہچان بن سکتی ہے۔ اقبال نے اہل بیت کو خراجِ عقیدت دے کر، ہمیں ایک فکری دستور العمل دے دیا ہے۔ ایک ایسا راستہ جو محبت، فہم، قربانی، اور اخلاص سے عبارت ہے۔ یہی راستہ امت کو پھر سے ایک عظیم فکری و تہذیبی قوت میں ڈھال سکتا ہے۔

حوالہ جات

1. محبوب علی زیدی الواسطی سیوہاروی، اقبال اور حب اہل بیت اطہار (لاہور: شیخ غلام علی سنز، 1990ء)، 6۔
2. القرآن، سورۃ الانبیاء، آیت ۹۲
3. محبوب علی زیدی الواسطی سیوہاروی، اقبال اور حب اہل بیت اطہار، 31۔
4. محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز 2017ء)، 130۔
5. ایضاً
6. خلیفہ عبد الحکیم، ڈاکٹر، اقبال اور ملا (لاہور: بزم اقبال، س ن)، 1۔
7. محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال، 222۔

8. محمد اقبال، علامہ، غزل بال جبریل (مشمولہ) کلیات اقبال، 201۔

9. محمد اقبال، علامہ، دنیائے اسلام (مشمولہ) کلیات اقبال، 201۔

10. ایضاً، 181۔

11. محبوب علی زیدی الواسطی سیوہاروی، اقبال اور حب اہل بیت اطہار، 210-211۔

12. https://sufinama.org/masnavi/allama-iqbal-masnavi-4?lang=ur۔

13. محمد اقبال، علامہ، (مترجم) سید حامد حسین، اسرار خودی (بھوپال: بھوپال بک ہاؤس، 1978ء)، 55۔

14. محمد اقبال، علامہ، (مترجم) غلام دستگیر شہاب، رموز بیخودی (پونہ: پربھات پریس گل ٹیکری، 1991ء)، 186۔

15. ایضاً

16. ایضاً

17. محمد اقبال، علامہ، (مترجم) غلام دستگیر شہاب، 188۔

18. ایضاً

19. یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح اسرار خودی (لاہور: اقبال اکیڈمی، 1943ء)، 78۔

20. ایضاً، 81۔

21. ایضاً، 59۔

22. https://www.instagram.com/p/CvSfOAOIG_9/

References in Roman Script

1. Mahboob Ali Zaidi al-Wasiti Sawharvi, Iqbal and the Love of the Pure Ahl al-Bayt (Lahore: Sheikh Ghulam Ali Sons, 1990), 6.
2. The Quran, Surah Al-Anbiya, verse 92۔
3. Mahboob Ali Zaidi al-Wasiti Sawharvi, Iqbal and the Love of the Pure Ahl al-Bayt, 31.
4. Muhammad Iqbal, Allama, Kulyat al-Iqbal (Lahore: Sangmeel Publications 2017), 130.
5. Ibid
6. Khalifa Abdul Hakim, Dr., Iqbal and the Mullah (Lahore: Bazm Iqbal, S.N.), 1.
7. Muhammad Iqbal, Allama, Kulyat al-Iqbal, 222.
8. Muhammad Iqbal, Allama, Ghazal Bal Jibril (included) Kulyat Iqbal, 201.

9. Muhammad Iqbal, Allama, Dunya-e-Islam (included) Kulyat Iqbal, 201.
10. Ibid, 181.
11. Mahboob Ali Zaidi Al-Wasit Sioharvi, Iqbal and the Love of the Ahlul Bayt Ithhar, 210-211.
12. .https://sufinama.org/masnavi/allama-iqbal-masnavi-4?lang=ur
13. Muhammad Iqbal, Allama, (translator) Syed Hamid Hussain, Asrar Khudi (Bhopal: Bhopal Book House, 1978), 55.
14. Muhammad Iqbal, Allama, (translated by) Ghulam Dastgir Shahab, Ramuz Bekhudi (Pune: Prabhat Press Gul Tekri, 1991), 186.
15. Ibid
16. Ibid
17. Muhammad Iqbal, Allama, (translated by) Ghulam Dastgir Shahab, 188.
18. Ibid
19. Yusuf Salim Chishti, Professor, Sharh Asrar Khudi (Lahore: Iqbal Academy, 1943), 78.
20. Ibid, 81.
21. Ibid, 59.
22. https://www.instagram.com/p/CvSfOAOIG_9/